© rasailojaraid.com

بہت سے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے قریب آئے۔ اب دونوں طبقوں کے درمیان پُرامن بقائے باہمی ہے اور اکثر ایک دوسرے سے دوستانہ تعاون کیا جاتا ہے۔

رہائشی سکیموں کے نتیجے میں بہت سے مسیحی شہروں میں یا اِن کے گرد و نواح میں یک جا ہوئے ہیں۔ دیہاتی جنھوں نے شہروں کی طرف نقل مکانی کی ہے، اُنہیں یہاں نہ صرف محفوظ جگہ ملی ہے، بلکہ اُنہیں روحانی تعاون بھی حاصل ہوا ہے۔ ان کے اثرات کو پورے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۹۶۵ء کی بھارت - پاکستان جنگ ہمارے مسیحیوں کے لیے وفاداری کا ایک کڑا امتحان تھی۔ بہت سے (جن میں مبشّرین بھی شامل تھے) گرفتار ہوئے، بعض کو اِس لیے خراب سلوک کا سامنا کرنا پڑا کہ اُن پر بھارت کا ساتھ دینے کا شبہ تھا، تاہم سب مذہب کے ساتھ وفادار رہے۔

۱۹۷۱ء کی جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان یک جہتی پیدا ہوئی اور وہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھنے لگے۔ کیوں کہ وہ پہلو بہ پہلو دشمن کے خلاف لڑ رہے تھے اور ملک کے ساتھ اُنھوں نے وفاداری کا ثبوت دیا۔ لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں مسیحی اداروں کے قومیانے سے ہماری برادری کو سخت دھچکا لگا۔ حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ ان اداروں کی اصل شکل کو برقرار رکھا جائے گا مگر یہ ایک خالی وعدہ ثابت ہوا۔ بہت سے مسیحی اساتذہ کی لالچ اور لاابالی پن سے ہمیں دُکھ ہوا ہے جنھوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لیے اِن اداروں کی Denationalisation کی مخالفت کی ہے۔ اُنھوں نے پوری مسیحی برادری کے فائدے کو پیشِ نظر نہیں رکھا، لیکن ہم ابھی تک اِس اُمید پر زندہ ہیں کہ وہ ادارے ایک دن ہمارے حوالے کر دیے جائیں گے۔

مسیحی طرزِ زندگی اور عبادت کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہفتہ وار چھٹی کا اتوار کے بجائے جمعہ کو ہونا ہے۔ لیکن سیاست میں بالعموم معیشت یا دولت کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ شاید اِسی راہ سے کوئی تبدیلی ہوگی۔ ممکن ہے کہ حکومت سیاسی قوّت حاصل کرنے پر ماضی کے فیصلوں کو بدل دے۔

۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کا دن، یقیناً لاہور ڈایوسیس کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیّت رکھتا ہے۔ اِس روز بشپ ارمانڈو ٹرینڈاڈ کا تقرّر لاہور کے پہلے پاکستانی بشپ کے طور پر کیا گیا تھا۔ اُن کے دورِ قیادت اور پیش رفت کے بارے میں تاریخ ہی فیصلہ دے گی، لیکن ہماری مخلصانہ اُمید اور دعا ہے کہ جو بیج بوئے گئے ہیں، اُن سے پہلے سے زیادہ بہتر فصل اُگے۔

کراچی کے مسیحی ادارے جو قومی تحویل میں لیے گئے۔

غیر سرکاری شعبے میں تعلیمی اداروں کا قیام اسلامی اور جمہوری معاشروں کی روایت رہی ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور برصغیر کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی اسلامی انجمنوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیرِ اہتمام چلنے والے ان گنت ادارے اُس روایت کا تسلسل تھے۔ مسلم تعلیمی اداروں کے ساتھ مسیحی اور دوسرے غیر مسلم ادارے بھی فروغِ تعلیم میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جہاں ایسے رفاہی تعلیمی ادارے کام کرتے رہے جن کا اوّل و آخر مقصد وطنِ عزیز میں تعلیم کا فروغ تھا، وہیں متعدّد ایسے افراد اور ادارے تعلیم و تدریس کے میدان میں در آئے جن کا بنیادی مقصد فروغِ تعلیم سے زیادہ حصولِ زر تھا۔ اور پھر، ایسا وقت آگیا جب مؤخر الذکر اداروں کے جنگل میں حقیقی رفاہی تعلیمی ادارے دب کر رہ گئے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ اقتدار میں جب غیر سرکاری شعبے میں کام کرنے والے تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا تو مَن جملہ دوسرے مقاصد کے اس اقدام کا ایک مقصد فروغِ تعلیم کے نام پر ہونے والی تجارت کو ختم کرنا بھی تھا۔ ۱۹۶۹ء میں ایک تحقیقاتی کمیٹی نے کراچی کے تعلیمی اداروں کے بارے میں ایک رپورٹ مرتّب کی تھی جِس سے تمام معروف اور اہم اداروں کی بدعنوانیاں سامنے آگئی تھیں۔ رپورٹ میں شامل ۱۳ نمایاں تعلیمی اداروں میں سے تین مسیحی تنظیموں کے زیرِ اہتمام کام کر رہے تھے۔ ذیل میں تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے "ابتدائیے" سے ضروری اقتباسات اور تینوں کالجوں کے بارے میں اس کی Findings پیش کی جاتی ہیں۔ آج مسیحی مشنری اداروں کی واپسی کی باتیں کی جارہی ہیں، شاید کوئی رائے قائم کرنے میں تحقیقاتی رپورٹ (۱۹۶۹ء) کے مندرجات اہلِ نظر کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ (مدیر)

"۹ مارچ ۱۹۶۹ء کو کمشنر کراچی کی صدارت میں ایک اجلاس ہوا تھا جس میں شیخ الجامعہ [جامعہ کراچی]، ویسٹ پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کے نمائندے، ناظم تعلیمات کراچی ریجن اور ڈپٹی کمشنر کراچی شریک تھے۔ اِس اجلاس میں نجی کالجوں کی بدعنوانیوں کی تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اِس کمیٹی میں ٹیچرز ایسوسی ایشن کے چار نمائندے، جامعہ کراچی، کراچی ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ اور نظامت تعلیمات کے ایک ایک نمائندے کو شامل کرنا تجویز کیا گیا تھا۔ ۳۰ اپریل ۱۹۶۹ء کو کمیٹی میں شامل ارکان کے ناموں کا اعلان کیا گیا جِس کے مطابق ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن، کمیٹی کے کنوینر مقرر ہوئے اور پروفیسر ایس ظہیر احسن (جامعہ کراچی)، ڈاکٹر مسز ایم - بی صدیقی (کراچی بورڈ)، انیتا غلام علی، شوکت حسن، محمد طاہر اور محمود قاضی (ویسٹ پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن) ارکان مقرر کیے گئے۔ ۷ مئی ۱۹۶۹ء کو کمیٹی کی پہلی میٹنگ نظامت تعلیمات کے دفتر میں ہوئی جِس کی صدارت اُس وقت کے ڈپٹی ڈائریکٹر آف ایجوکیشن جناب زیڈ - ایچ - اے نقوی نے کی۔ اس اجلاس میں کمیٹی کو کالجوں میں جاکر ریکارڈ دیکھنے اور اُن کی جانچ پڑتال کرنے کے اختیارات دیے گئے اور کمیٹی کے اچانک معائنوں کا پروگرام ترتیب دیا گیا۔

کالجوں کا معائنہ مئی کے وسط میں شروع ہوا اور تین ماہ تک جاری رہا۔ کئی کالجوں میں کمیٹی دو دو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تین تین مرتبہ گئی۔ بعض کالجوں نے پوری طرح تعاون کیا جب کہ بعض کالجوں نے بہت سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ معائنہ کے بعد اپریل ۱۹۷۰ء میں باقاعدہ دستاویزی شکل میں [رپورٹ] تیار کی گئی---۔"

"ہم نے ان کالجوں کی بہت چیدہ چیدہ بدعنوانیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ غیر ضروری تفصیلات سے گریز کیا ہے۔ ایسے کالجوں کو (جو تعداد میں تین سے زیادہ نہیں۔) چھوڑ دیا ہے جہاں بدعنوانیاں تھیں تو لیکن بہت کم اور اس کے مقابلے میں کارکردگی بہت بہتر تھی۔ اس طرح بعض چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم کالجوں کو بھی نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ پڑھ کر اندازہ ہو سکے گا کہ حکومت ان کالجوں کو قومیانے کا فیصلہ کرنے میں کس قدر حق بجانب تھی۔"

سینٹ پیٹرک کالج

سینٹ پیٹرک کالج کا انتظام کیتھولک تبلیغی ادارہ کے ہاتھ میں تھا۔ اور اس کی گورننگ باڈی کے صدر کراچی کے کیتھولک آرچ بشپ تھے۔ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس کالج میں پاکستانی طلبہ سے وصول کی جانے والی فیسوں میں سے بیس ہزار روپے چرچ کو ہر سال ادا کیے جاتے تھے۔ مشنری کالجوں کے بارے میں ان کے نگران اداروں کا دعویٰ تھا کہ وہ غیر تجارتی بنیادوں پر چلائے جاتے ہیں، لیکن یہاں کالج کے طلبہ سے ۳۵ روپے ماہانہ فیس لی جاتی تھی۔ جب کہ سالانہ وصول کی جانے والی فیس اس کے علاوہ ہے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۸ء تک دو سالوں میں اس کالج کو ۱۷ ہزار دو سو چالیس روپے بچت ہوئی تھی، لیکن یہ رقم کالج کے ریزرو فنڈ کے بجائے کیتھولک تبلیغی ادارے کو دے دی گئی۔

سینٹ جوزف کالج برائے خواتین

کالج کی انتظامیہ اساتذہ کی تقرری، ترقی اور مستقلی کے سلسلے میں بدعنوانی کی مرتکب ہوئی ہے۔ انتظامیہ نے اساتذہ کی تقرری کی توثیق انتظامیہ کے بورڈ سے نہیں کرائی۔ جامعہ کے قوانین کے مطابق استاد کو ایک سال کے تسلی بخش کام کے بعد مستقل کر دینا چاہیے، اور عارضی مدت کسی بھی صورت میں دو سال سے زیادہ نہیں ہونا چاہیے، لیکن ریاضی کی ایک استانی کو چار سال کی ملازمت کے بعد بھی مستقل نہیں کیا گیا۔

شعبہ ریاضی، فلاسفی اور فارسی میں اساتذہ کی کمی ہے۔ ان شعبوں میں ایک ایک استاد ہے۔ اس لیے چاروں درجوں کو پڑھانا پڑتا ہے اور ہفتے میں تیس پریڈ لینے پڑتے ہیں۔ جامعہ کے ضابطے کے مطابق ان شعبوں میں دو دو اساتذہ ہونے چاہییں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اساتذہ کو جامعہ کے ضابطہ کے مطابق چھٹیاں نہیں دی جاتیں۔ اس کے علاوہ اتنا پرانا کالج ہونے کے باوجود اس کالج میں صرف لیکچرر ہیں۔ پروفیسر، اسٹنٹ پروفیسر اور سینئر لیکچرر نہیں ہیں۔ کالج کو معیاری اور کارکردگی کو اچھا بنانے کے لیے پروفیسروں، اسٹنٹ پروفیسروں اور سینیر لیکچرروں کا تقرر بہت ضروری ہے۔

کالج کے کتب خانے میں سائنس کی کتابوں کی کمی ہے۔ حالانکہ سائنس کے شعبہ میں مسلسل توسیع ہو رہی ہے۔ گزشتہ برسوں میں کتابوں کی خریداری پر بہت کم رقم صرف کی گئی ہے۔ اس وجہ سے جدید کتابوں کی بہت کمی ہے۔

اس کالج کا کوئی مخصوص فنڈ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پرنسپل کا موقف یہ ہے کہ اس فنڈ کی ضرورت نہیں، کیوں کہ کالج کے سرپرستوں نے ادارے کی مالی ضروریات پوری کرنے کی ضمانت دے رکھی ہے، لیکن یہ استدلال تسلیم نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ جامعہ کے ضوابط کی خلاف ورزی ہے۔

سینٹ لارنس کالج

سینٹ لارنس کالج طالبات کا کالج ہے جو انسٹی ٹیوٹ آف فرانسکن آف میری پاکستان کے زیرِ اہتمام چلتا تھا۔ تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق اس کالج میں اُردو کے کسی اخبار کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ لائبریری کی ساڑھے ہزار کتابوں میں سے صرف ۴۵۰ کتابیں اردو کی تھیں۔ یہ ادارہ بھی ۳۶ ہزار روپے سالانہ کی رقم کرایہ کے نام پر اپنے سرپرست ادارہ کو ادا کرتا تھا اور پھر یہ رقم ہر سال قرضے کے طور پر کالج کے ذمہ لکھی جاتی تھی۔ اکاونٹس کی کتابوں میں ایک لاکھ ۳ ہزار ۲۰۷ روپے کا خسارہ دکھایا گیا ہے۔ اس مصنوعی خسارہ میں سے تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سرپرست ادارہ کے نام میں ظاہر کی جانے والی رقمیں نکال لی جائیں تو خسارہ صرف ۳۹ ہزار ۸ سو ۲ روپے رہ جاتا ہے۔ کمیٹی نے اس مشنری کالج کی جن دوسری بدعنوانیوں کے بارے میں لکھا ہے، اس ضمن میں یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ کالج کی کوئی گورننگ باڈی نہیں ہے۔

[ماخذ: تلخیص "پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بدعنوانیاں"، تحقیقاتی رپورٹ ۱۹۶۹ء، کراچی: الفتح مطبوعات (س-ن)]

"الفلاح" (کوئٹہ) کی کارکردگی

۱۹۶۴ء میں جب ڈچ فرانسسکن پادری، ریورنڈ او ٹو پوسٹما کوئٹہ آئے تو مسیحی برادری تعلیم کی اہمیت سے زیادہ آگاہ نہ تھی۔ زیادہ تر مسیحی کوئٹہ کی غریب بستیوں میں آباد تھے۔ کیتھولک چرچ کی

© rasailojaraid.com